# فیض بھرتپوری معاصرین کی نظر میں

مجلہ

بیادِ شاعرِ اہلِ بیت

حضرت سید فرزند حسن زیدی الواسطی

فیض بھرتپوری

اعلی اللہ مقامہ

کہہ کر اک مرثیہ بعنوانِ حسینؑ
پہنچا درِ جنت پہ ثنا خوانِ حسینؑ
رضواں کو ندا آئی، قدم لے بڑھ کر
یہ فیض ہے فیضیابِ فیضانِ حسینؑ

زیرِ اہتمام

ادارۂ فیضِ ادب کراچی

نامِ اشاعت : حضرت فیض تجر تنوری ـــ معاصرین کی نظر میں
تعدادِ اشاعت : ایک ہزار
تاریخِ اشاعت : جولائی ۱۹۸۹ء
زیرِ اہتمام : ادارۂ فیضِ ادب
۵ سی، ۱۱/۵، ناظم آباد، کراچی ـ پاکستان
فون : ۶۱۳۴۰۷

مطبوعہ :ـ عالمگیر پیکیجز ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

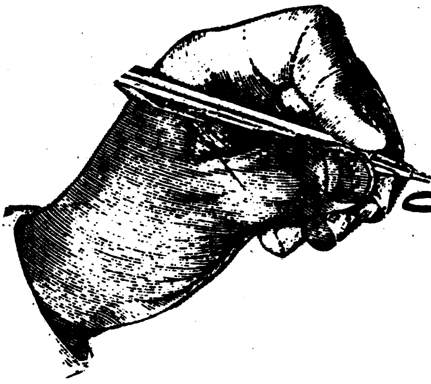

## حرفِ سپاس

حضرت سیّد فرزند حسن زیدی فیضؔ بھرتپوری کا شمار برِصغیر کے ممتاز و معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے غزل، نظم، رباعی اور قطعہ کے ساتھ ساتھ نعت، منقبت، قصیدہ، نوحہ، سلام اور مرثیہ پر طبع آزمائی کی اور کربلائی شاعری میں خاصی اہمیت اور مقبولیت حاصل کی۔

حضرت فیضؔ بھرتپوری شاعرِ اہلِ بیت تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں مرثیہ نگاری کا باقاعدہ طور پر آغاز کیا۔ ان کے مرثیوں نے برِصغیر پاک و ہند کے ساتھ ساتھ برطانیہ اور امریکہ میں بھی مقبولیت حاصل کی۔ ان کے مرثیے کی انفرادیت حقائق نگاری، مقصدیت اور اصلاحی ترغیب ہے — قیامِ پاکستان کے بعد اردو شاعری کے دبستانِ کراچی میں رثائی ادب کے حوالے سے جن قد آور شخصیتوں کا نام لیا جاتا ہے، ان میں حضرت فیضؔ بھرتپوری

بھی شامل ہیں۔

حضرت فیض بھرتپوری ۵ مئی ۱۹۸۹ء کو ہم سے جُدا ہوگئے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون ـــــ اس سانحۂ ارتحال پر ادارۂ فیض ادب کراچی کو حضرت فیض بھرتپوری کے معاصرین، دوستوں، عقیدتمندوں اور چاہنے والوں کی جانب سے بے شمار تعزیتی خطوط اور پیغامات موصول ہوئے۔ پاکستان، بھارت، امریکہ اور برطانیہ سے تعزیتی پیغامات کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے ـــــ سوگواران حضرت فیض بھرتپوری اعلی اللہ مقامہٗ نے ایصال ثواب کے لئے ۸ جون ۱۹۸۹ء کو مسجد باب العلم، شمالی ناظم آباد، کراچی میں ایک مجلسِ عزا منعقد کی جبکہ پاکستان کے دیگر شہروں، بھارت، برطانیہ اور امریکہ کے مختلف شہروں میں بھی ایسی ہی مجالسِ عزا کے انعقاد کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں ـــــ حضرت فیض بھرتپوری کی رثائی ادب میں نصف صدی پر محیط گرانقدر خدمات کے اعتراف میں ۱۵ جون ۱۹۸۹ء کو پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی کی زیر صدارت ایک تعزیتی جلسہ، امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ، انچولی سوسائٹی، کراچی میں منعقد ہوا جس میں ملک کے نامور ادیبوں، شعراء اور صاحبان علم و دانش نے حضرت فیض بھرتپوری اعلی اللہ مقامہٗ کی شاعری اور شخصیت اور خدمات کے حوالوں سے مقالات، نظمیں اور تاثرات پیش کئے جبکہ کئی مضامین، مقالات اور منظوم نذرانۂ عقیدت، ادارۂ فیض ادب کو بذریعہ ڈاک بھی موصول ہوئے ـــــ اسی سلسلے میں ایک یادگاری مجلّہ کی اشاعت کی شدید ضرورت بھی محسوس کی گئی۔

حضرت فیض بھرتپوری یادگاری مجلّہ کی ترتیب و اشاعت اس قدر عجلت میں محال معلوم ہوتی تھی لیکن بہرحال یہ یادگاری مجلّہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس عجلت میں یہ مجلّہ ترتیب دیا جاسکا اور شائع کیا جاسکا، عام حالات میں ایسا ممکن نہ تھا لیکن اسے ممکن بنانے میں حضرت فیض بھرتپوری کے معاصرین، عقیدتمندان اور ان کے چاہنے والوں کا بڑا حصّہ ہے۔ معاصر ادیبوں، شعراء اور ناقدین نے تنگیٔ وقت کے باوجود اپنے تاثرات، مقالات اور نظمیں بروقت فراہم کرکے ہمارے حوصلوں کو ثبات عطا کیا۔ ہم یقیناً ان حضرات کے سپاس گزار ہیں۔

ہم حضرت فیض بھرتپوری اعلی اللہ مقامہٗ کے صاحبزادگان جناب باقر زیدی، جعفر زیدی، نسیم زیدی اور مسعود زیدی کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اس مجلّہ کی اشاعت کے لئے اپنا ہمہ جہتی تعاون فراہم کیا۔

ہم ممنون و مشکور ہیں محترم پروفیسر ڈاکٹر سید نعیم تقوی کے جنہوں نے اس مجلّہ کی اشاعت کو ممکن بنانے میں عملی تعاون کیا۔ ہم ان کی مخلصانہ توجہ اور نوازش کا حق صرف الفاظ میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم حضرت راحت جہانگیر آبادی کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے مراثی فیض جلد دوم مطبوعہ ۱۹۷۹ء کے تیسرے مرثیہ کے مطلع کے ایک مصرعہ

'کیا کم شرف ہے یہ کہ علیؑ کا غلام ہوں'

۱۹۸۹ء

سے حضرت فیض بھرت پوری اعلی اللہ مقامہ کی تاریخ وفات نکالی۔

ہم سپاس گزار ہیں جناب نیّر اسعدی سرفراز ابدؔ اور اقبال کاظمی کے جنہوں نے اس مجلّہ کی اشاعت کے لئے اپنا ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی تعاون انتہائی خلوص اور محبت کے ساتھ فراہم کیا۔

اس یادگاری مجلّہ کی اشاعت کے لئے جو عمومی تعاون ہر طرف نظر آیا وہ یقیناً حضرت فیض بھرت پوری اعلی اللہ مقامہ کی اہمیت اور پسندیدہ شخصیت کو زبردست خراجِ تحسین ہے۔

یہ یادگاری مجلّہ اگر کسی قابل ہے تو لائقِ ستائش ہیں وہ اربابِ علم جن کی نگارشات اس مجلّے کے صفحات کی زینت ہیں — اور اگر کہیں کوتاہی نظر آئے تو اسے ہماری بے بضاعتی پر منتج کیا جائے —!

ہم دست بہ دعا ہیں کہ پسماندگان کو رفتگان کے علمی اور مذہبی آثار اور ورثوں کی حفاظت کی توفیق عطا ہوتی رہے!

اراکینِ ادارۂ فیضِ ادب
۵ سی، ۱۱/۵ - ناظم آباد
کراچی - پاکستان
فون: ۶۱۳۴۰۷

۱۵ جولائی ۹۰ء

# "فیضؔ بھرتپوری معاصرین کی نظر میں"
## یادگاری مجلہ
## ۱۹۷۹ء

## فہرستِ ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| عرضِ حال (خودنوشت سوانحِ حیات) | فیضؔ بھرتپوری | ۱۰ |
| جنابِ فیضؔ بھرتپوری (تعارف) | سید انعام حسین زیدی | ۱۴ |
| **تاثرات و مقالات :** | | ۱۷ |
| اساتذۂ فن کی تابندہ یادگار | پروفیسر کرار حسین | ۱۸ |
| کربِ آگہی کا شاعر فیضؔ بھرتپوری | پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی | ۱۹ |
| اور فیضؔ بھرتپوری بھی... | سید محمد تقی | ۲۲ |
| فیضؔ بھرتپوری | صباؔ اکبرآبادی | ۲۴ |
| فیضؔ بھرتپوری کا فن | سید وحید الحسن ہاشمی | ۲۵ |
| تاجدارِ اقلیمِ سخن | علامہ سید رضی جعفر نقوی | ۳۵ |
| فیضؔ بھرتپوری | تابشؔ دہلوی | ۳۹ |
| فیضؔ بھرتپوری بحیثیت مرثیہ نگار | ظفرؔ جونپوری | ۴۱ |
| حضرت فیضؔ بھرتپوری | سردار نقوی | ۴۶ |
| فیضؔ مرحوم | علامہ سید جاوید جعفری | ۴۹ |
| آہ فیضؔ مرحوم | یاور حسین یاورؔ اعظمی | ۵۰ |
| بیادِ فیضؔ مرحوم | شادانؔ دہلوی | ۵۳ |
| فیضؔ بھرتپوری | امیدؔ فاضلی | ۵۵ |
| فیضؔ بھرتپوری ایک منفرد و نغز نگار | ابن الشہید محمود الحسن رضوی | ۵۶ |
| آہ فیضؔ بھرتپوری | آغا محمد اصغر صاحب | ۸۰ |
| آہ فرزندِ حسین فیضؔ | شفقؔ اکبرآبادی | ۸۱ |
| مکتوب بنام فیضؔ بھرتپوری مرحوم.. | راہیؔ جہانگیرآبادی | ۸۴ |
| آہ فیضؔ مرحوم | پروفیسر فرحت ظفر جعفری | ۸۵ |
| فیضؔ بھرتپوری | مولانا عبدالباری صدیقی | ۸۶ |
| ہائے فیضؔ بھرتپوری | الحاج ضمیر اختر نقوی | ۸۷ |

| | | |
|---|---|---|
| نذرِ فیض | ریاضت علی شائق | ۸۹ |
| یہ بھی ہو انسان تھے فرزندِ حسن فیض | سبط حسن انجم | ۹۱ |
| سفرِ آخرت | کرار حسین زاہد فتحپوری | ۹۴ |
| حضرت فیض بھرتپوری مرثیہ نگار کی حیثیت سے | پروفیسر سید غلام عباس | ۹۶ |
| وے صورتیں الٰہی... | سید محمد عالم زیدی | ۱۱۳ |
| فیض بھرتپوری کی مرثیہ نگاری کا تجزیہ | طارق عباس آذر | ۱۱۷ |
| حرفِ عقیدت | سرفراز ابد | ۱۲۵ |
| دنیائے مرثیہ کا ایک چراغ اور گل ہو گیا | آغا نیر علی نیر اسعدی | ۱۲۹ |
| دکھاتا ہے داغ آسماں کیسے کیسے | مشہود جعفری | ۱۳۳ |
| بیادِ فیض | سبط جعفر زیدی | ۱۳۴ |
| بیٹھوں تو نیند آ گئے | ریحان اعظمی | ۱۴۴ |
| فیض بھرتپوری | محمد رضی راہی | ۱۴۵ |
| فیض بھرتپوری جدید مرثیہ گو شاعر | ڈاکٹر سید نیر حسین | ۱۴۸ |
| آہ فیض بھرتپوری | محمد تقی زیدی رہبر | ۱۴۹ |
| فیض بھرتپوری بحیثیت مرثیہ گو | غلام عباس بٹ | ۱۵۱ |

منظومات / نذرانۂ عقیدت / قطعہ ہائے تاریخِ وفات ۔۔۔ ۱۵۵

حضرت بشیر فاروقی • حضرت نیساں اکبرآبادی • رابعہ نہاں • یاور حسین یاور اعظمی
ساحر لکھنوی • حکیم محمد کاظم زیدی • باقر زیدی • قمر وارثی • کوثر نقوی
اقبال کاظمی • مرزا حیدر عباس • وقار محسن • حیدر مہدی رضوی
فیض امروہوی • سحر حیدر راحت • وحید الحسن ہاشمی

اظہارِ تعزیت (مکتوبات) ۔۔۔ ۱۸۱

نیساں اکبرآبادی • رابعہ نہاں • عدنان عادل • سید مرتضیٰ میاں زیدی
سید بنیاد علی نقوی • تحسین • شاہد حیدری

## تعزیتی جلسے کی روئیداد ۱۹۱

تعزیتی جلسہ بیاد حضرت فیض بھرتپوری مرحوم رپورٹ: باقر زیدی ۱۹۲

## یادداشت ۲۰۹

۱۔ مکتوبات بنام حضرت فیض بھرتپوری: ۲۱۰

- نسیم امروہوی • ڈاکٹر معشوق حسین • ڈاکٹر مسعود رضا خاکی
- راہی جہانگیر آبادی • ہلال نقوی • شاہد حمیدی • صمصام جعفری

۲۔ فیض بھرتپوری کا مضمون "بھرتپور کی تاریخ مرثیہ گوئی" ۲۱۸

۳۔ فیض اور فن (تاثرات اقتباسات) ۲۲۸

- پروفیسر منظور حسین شور • علامہ طالب جوہری

۴۔ کلام فیض بھرتپوری۔ ۲۳۲

- نظم • نعت • منقبت • قصیدہ • سلام • نوحہ • قطعہ
- قطعہ تاریخ وفات • مرثیہ درحال شہادت حضرت سکینہ
- مرثیہ دربیان شہادت حضرت عباس علمدار • غزل

۵۔ ترجمۂ کلام حضرت فیض بھرتپوری (انگریزی میں) ایس جی عباس ۳۰۷

## English Section

Faiz Bharatpuri — a renowned poet
by: Prof. Dr. Naeem Taqvi 320

Faiz Bharatpuri by: Mohsin Burney 317

Faiz Bharatpuri by: Kausar Zaidi 314

An appreciation of Late Faiz Bharatpuri
by: Kausar Zaidi 312

مجھ پہ موقوف ہے کیا، جو بھی کرے مدح رقم — اس کو ملتے ہیں درِ علم سے موتی پیہم

عقل حیران ہے یہ دیکھ کے خالق کی قسم — دل کی آواز کو سُن لیتا ہے کس طرح قلم

اپنی مرضی سے نہ چلتا نہ کبھی لکھتا ہے

بات جو دل میں ہے میرے یہ وہی لکھتا ہے

حضرت سید فرزند حسن زیدی فیض بھرتپوری

فیض بھرتپوری

۱۹۷۹ء

# عرضِ حال

(خود نوشت سوانح حیات)

میری پیدائش ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء کو محلہ بدہ کی ہاٹ ریاست بھرت پور میں ہوئی ہم دو بھائی توام پیدا ہوئے۔ بڑے بھائی کا نام سید انعام حسین زیدی رکھا گیا اور میرا فرزند حسن زیدی ہائی اسکول بھرت پور سے میٹرک ۱۹۳۶ء میں کیا اور شادی ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء کو سید ہدایت علی رضوی اکبرآبادی کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ چونکہ آبا و اجداد سے عزاداری چلی آرہی تھی اس لئے والد مرحوم سید اکرام حسین کلیم نے بچپن ہی میں رباعیات و سلام پڑھوانے شروع کر دیئے چونکہ خاندان کا ہر فرد شاعر تھا اس لئے طبیعت شعر گوئی پر مائل ہوئی اور تیرہ برس کے سن میں بھرت پور کی نمائش کے مشاعرے میں پہلی غزل اس مصرع طرح پر کہہ کر پڑھی۔

نظر چاروں طرف آتا ہے باغ آرزو مجھ کو

غزل تلف ہوگئی۔ ایک شعر کا مصرعۂ ثانی ذہن میں محفوظ ہے وہ اس لئے کہ ایک قافیہ زبان کا ایسا استعمال کیا تھا جو کسی نے نظم نہیں کیا تھا اور وہ یہ تھا۔ "سمجھ رکھا ہے کوئی آپ نے کیا بانگرو مجھ کو" ابتداء میں غزلیں شاد بھرت پوری کو دکھائیں اور کبھی کبھی عروج بھرت پوری سے اصلاح لی۔ غرضکہ دونوں اساتذہ سے استفادہ حاصل کرتا رہا۔ ایک عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بھرت پور میں طرحی مشاعرے مہینہ میں دو بار ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب میں ہوا کرتے تھے۔ ایک صبح کو شریک حیات نے استفسار کیا کہ غزل کس کی اچھی رہی۔ میں نے کہا میری۔ اس پر طنزاً کہا کہ واہ واہ سبحان اللہ۔ میں نے کہا کیا مطلب تو کہا کہ یہ سب یہیں رکھا رہ جائے گا ایسا

کہئے جو عقبیٰ کے کام آئے۔ میں نے کہا کہ اس رنگ میں کبھی کچھ کہا نہیں تو جواب دیا کہ غزل تو آپ کہتے ہوئے پیدا ہوئے تھے اس جملے نے نشتر کا کام کیا نہیں ایام میں علیگڑھ سے ایک مصرعہ آیا ہوا تھا۔ "سلامی خوب کھیلی رن میں تیغ لافتیٰ ہولی" چنانچہ اس مصرعہ پر سلام کہا۔

# سلام

سلامی رنج و غم کی کربلا میں انتہا ہولی
سکینہؑ باپ سے زینبؑ برادر سے جُدا ہولی
فلک میں یہ اثر کب ہے کہ شہؑ کے خونِ ناحق سے
زمینِ کربلا تاثیر میں خاکِ شفا ہولی
لکھا مسلمؑ نے خط شہ کو۔ نہ آئیں آپ کوفے میں
کہ بیعت کرکے یہ ساری جماعت بیوفا ہولی
زمانہ پھر گیا کیسا غضب ہے شہ کی عترت سے
ہوئے قیدی۔ لٹا گھر۔ بی بی ہر اک بے ردا ہولی
پکارے عابدؑ بیمار۔ راہِ شام میں بابا
لگے ہیں پشت پر دُرّے۔ مرض اچھی دوا ہولی
بپا کہرام تھا مقتل میں شہ کے قتل پر کیسا
فلک رویا۔ زمیں کانپی ملائک میں بکا ہولی

## قطعہ

بہائے اشکِ خون زینبؑ نے رُخ سوئے نجف کرکے
کہا بابا اٹھو مرقد سے۔ سُونی کربلا ہولی
پھری بے مقنع و چادر۔ گئی دربار میں بابا
بھرا گھر ہوگیا غارت جفا کی انتہا ہولی

سکینہؑ روئی جب شہؑ کو طمانچے شمر نے مارے
قیامت کربلا میں بعد شاہِ کربلا ہو لی
زیارت کی علیؑ کی ۔ کیوں نہ ہو امید تربت میں
کفن میں ساتھ اپنے فیض جب خاکِ شفا ہو لی

٭ ٭ ٭

فارسی کی تعلیم عروج بھرت پوری سے حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں کچھ بند مرثیے کے کہے۔ عروج بھرت پوری نے سننے کے بعد فرمایا کہ مرثیہ کہنے کے کچھ قواعد ہیں پہلے وہ سیکھو۔ یہ سلسلہ جاری رہا کہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں حیدرآباد دکن ہوتا ہوا کراچی پہونچا۔ یہاں سید علی اطہر جعفری مرحوم اطہر کے مسلسل اصرار پر سال ۱۹۶۳ء میں مرثیہ عزاخانہ انجمن ایرانیان میں درحال حضرت عباسؑ علمدار پڑھا اور وہ مرثیہ کچھ ہمعصر مرثیہ گو حضرات پر گراں گزرا۔ آئندہ سال کے لئے مرثیہ کہنا شروع کر دیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ میرا نام اس سال مرثیہ گویوں کی فہرست میں نہیں ہے۔ بہت افسوس ہوا۔ مخالفین کا یہ خیال تھا کہ پڑھنے کا موقع نہ دیں گے تو کہنا بند کر دے گا۔ چنانچہ اسی سال یعنی ۱۹۶۴ء میں جامعہ امامیہ ناظم آباد نمبر ۲ عشرہ قائم کیا۔ جو سال ۱۹۷۹ء تک بڑی کامیابی کے ساتھ ہوتا رہا۔ لیکن اسی سال یہ مجالس نذرِ سیاست ہو گئیں۔ مولانا نسیم امروہوی نے اپنی مجلس میں مرثیہ پڑھنے سے قبل اعلان کیا کہ یہ مجالس اب بند کی جاتی ہیں۔ ادھر میرے اور مولانا مذکور کے درمیان سال ۱۹۷۷ء میں کچھ اختلافات ہو گئے۔ بہ ایں سبب میں نے ۱۹۷۷ء میں جامعہ امامیہ میں مرثیہ غیر اصلاحی پڑھا اور سال ۱۹۷۹ء میں بھی غیر اصلاحی مرثیہ اپنے داماد سید رضا حسین رضوی کے مکان واقع سید ولا۔ فیڈرل بی ایریا نمبر ۲ میں پڑھا۔ اس مجلس میں مولانا نسیم امروہوی نے بھی شرکت کی تھی۔ اب بہ فیض پنجتنؑ اصلاح تو در کنار کسی سے مشورہ بھی نہیں کرتا ہوں۔ خود اعتمادی کے سہارے چل رہا ہوں۔ میرے دادا سید اصغر حسین زیدی بصیرؔ اور والد سید اکرام حسین زیدی کلیمؔ نے بھی مرثیے کہے لیکن وہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کی نذر ہو گئے۔

○

## مطبوعہ تصانیف :

- مراثیٔ فیضیؔ، جلد اول (۱۹۷۶ء) ● مراثیٔ فیضیؔ، جلد دوم (۱۹۷۹ء)
- مرثیہ گنجِ شہیداں (۱۹۸۲ء) ● مرثیہ تبرکات (۱۹۸۲ء)
- مرثیہ فلسفۂ تبرکات (۱۹۸۴ء)

## غیر مطبوعہ مراثی :

● در حالِ شہادتِ حضرت عباسؑ (جون ۱۹۶۳ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت علی اکبرؑ (جون ۱۹۶۴ء) ● در حالِ شہادتِ امام حسینؑ (دسمبر ۱۹۷۸ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت امام حسینؑ و تاراجیٔ خیام (ستمبر ۱۹۸۰ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت علی اصغرؑ (اپریل ۱۹۸۱ء) ● در حالِ داخلۂ اہلبیتؑ دربارِ شام میں (مئی ۱۹۸۲ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت علی اکبرؑ (جولائی ۱۹۸۳ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت امام حسینؑ (اکتوبر ۱۹۸۴ء) ● در حالِ شہادتِ حضرت قاسمؑ (دسمبر ۱۹۸۴ء) ● در حالِ شہادتِ جنابِ سکینہؑ (جولائی ۱۹۸۵ء) ● داستانِ تشنہ وصالی، ہمزبانیٔ فراتؔ کی زبانی (اکتوبر ۱۹۸۶ء)

## غیر مطبوعہ دیگر اصنافِ سخن :

● نعتِ رسولؐ ● منقبت ● قصیدہ ● سلام ● نوحہ ● قطعہ ● نظم ● غزل

# جناب فیض بھرتپوری

تعارف: سید انعام حسین زیدی

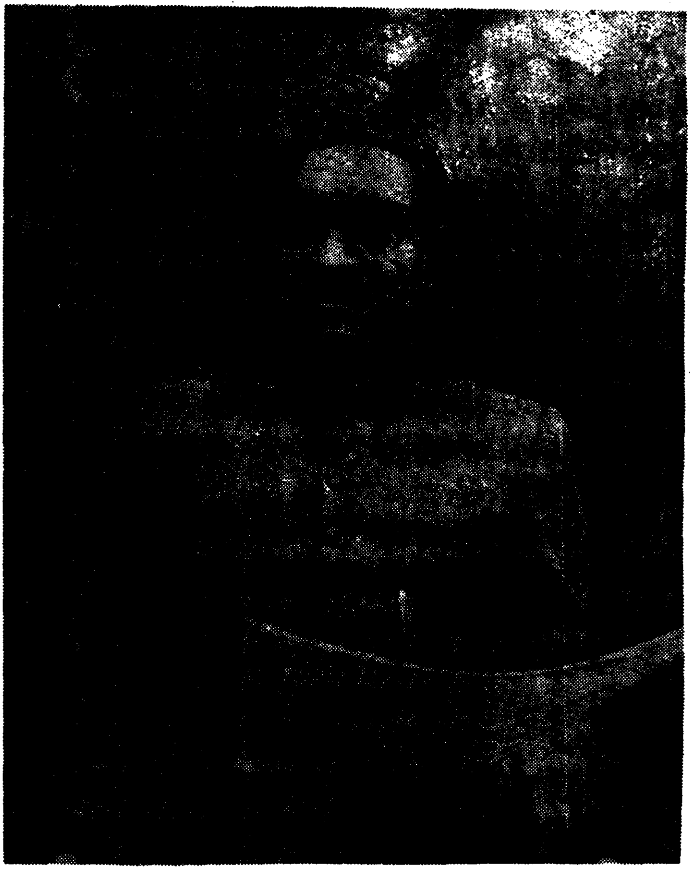

سید فرزند حسن فیض ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء کو ریاست بھرتپور (راجپوتانہ شرقی) میں متولد ہوئے۔ انگریزی میں میٹرک پاس کیا۔ فارسی کی تعلیم اپنے تایا جناب غضنفر حسین عروج سے حاصل کی۔

فیض صاحب کے مورث اعلیٰ جناب حکیم محمد علی مرحوم بزمانہ محمد ابوالمظفر شاہ عالم بادشاہ

شہر کول یعنی علیگڈھ میں منصب قضاء پر مامور تھے ایک مدت کے بعد آپ نے متھرا میں اقامت اختیار کی مہاراجہ بلونت سنگھ والی ریاست بھرتپور نے جو کسی مہلک مرض میں مبتلا تھا حکیم صاحب موصوف کو بغرض علاج بلایا جنکے علاج سے مہاراجہ کو تھوڑے ہی عرصہ میں صحت ہوگئی پس شفانواز مہاراجہ نے حکیم صاحب کو ایک حویلی اور ایک گاؤں موضع باگھی جو تحصیل خاص بھرت پور میں ہے مع دیگر اعزاز سرداری عطا فرمایا۔ چنانچہ بھرت پور میں رہائش اختیار کی۔

حکیم محمد علی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے خادم حسین جو حکیم حاذق تھے اپنے والد مرحوم کی جگہ بھرت پور کے طبیب خاص مقرر ہوئے انھوں نے ایک شاندار عزا خانہ بنوالیا۔ جو ریاست بھرتپور میں بلحاظ وسعت و آرائش اپنی نظیر آپ تھا۔

حکیم خادم حسین کے بعد ان کے بیٹے حکیم سید اصغر حسین مہاراجہ بھرتپور کے طبیب خاص مقرر ہوئے ان کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے حد عشق تھا۔ حضرات ذاکرین کو باہر سے بلواتے تھے۔ خود بھی شاعر تھے۔ اور تکبیر تخلص فرماتے تھے۔ حکیم صاحب موصوف نے ۱۴ اگست ۱۹۰۴ء میں اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ ان کے چار بیٹے سید شمشاد حسین۔ سید مہدی حسن۔ سید آل حسن۔ اور سید اکرام حسین تھے

فیض مرحوم کے والد سید اکرام حسین کلیم ریاست بھرتپور میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ مرثیہ خوانی اور غزل گوئی میں سید شبیر حسین نسیم مرحوم کے شاگرد ہوئے اور عدالت بھرتپور میں سیشن جج کے پیشکار رہے۔

فیض مرحوم کے دادا سید اصغر حسین تکبیر۔ تایا غضنفر حسین عروج تایا سید مصطفےٰ حسین بدر۔ چچا سید موسیٰ رضا شاد اور والد سید اکرام حسین کلیم بھرتپور میں پایہ کے شاعر اور استاذ الاساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان بزرگوں کی صحبت اور روزانہ نشست میں علمی۔ ادبی۔ فقہی اصناف شعر و سخن۔ تنقید و تبصرہ پر گفتگو میں بیٹھنے اور درس حاصل کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ماہانہ مشاعروں میں شرکت ہوتی تھی۔ فیض مرحوم نے

ابھی شاعری شروع بھی نہ کی تھی کہ سنہ ۱۹۲۴ء میں بھرت پور میں تباہ کن طغیانی (سیلاب) آیا۔ جس میں زراعت، مویشی، مکانات اور سینکڑوں انسان ہلاک ہو گئے اور پورے شہر کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ شہر کی بلند و بالا عمارتوں، مثلاً مساجد اور مندر میں باختلاف مذہب و ملت ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ ایسے حالات میں سادات کرام میں سے کوئی ایک متنفس بھی اپنے ناموس کو لے کر وہاں نہیں گیا۔ پانی شہر بھرت پور میں داخل ہوا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جہاں جہاں سادات کی آبادیاں تھیں پانی ان کے قریب بھی نہ پہنچا۔ اس وقت فیضؔ مرحوم کی عمر بمشکل تیرہ ۱۳ سال تھی کہ اس صورت حال سے متاثر ہو کر چند قطعات کہے جو اس وقت موجود نہیں۔ مگر مفہوم یاد ہے۔ فرمایا کہ پانی کربلا کے بعد ایسا شرمسار ہوا ہے کہ اب سادات کے سامنے آتا ہوا جھجکتا ہے اور منھ چھپاتا ہے۔

بھرت پور میں ماہانہ مشاعرے اور مقاصدے ہوتے تھے جن میں فیضؔ مرحوم ہمیشہ حصہ لیتے تھے۔ اکثر و بیشتر فی البدیہہ مشاعروں میں بھی حصہ لیا۔ سید موسیٰ رضا صاحب شادؔ اور تایا غضنفر حسین عروجؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ ابتدا میں غزل، قصائد، سلام، نوحے وغیرہ کہے ۱۹۴۸ء میں کراچی آئے اور مرثیہ گوئی شروع کی اور جناب قائمؔ رضا نسیم امروہوی سے فیض تلمذ حاصل کیا۔

کراچی میں ڈاکٹر یاور عباس مرحوم اور "کل پاکستان فروغ مرثیہ" کی جانب سے نو تصنیف مرثیوں کی مجالس میں شرکت کر کے مومنین سے داد تحسین حاصل کی۔ کل ۲۴ مرثیے تصنیف کیے جن میں سے چند شائع ہو کر مومنین کرام تک پہنچ چکے ہیں۔

باقیات الصالحات میں علاوہ مراثی و قصائد کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جو بحمداللہ سعادت مند اور برسر روزگار ہیں۔

فیضؔ ۱۵ مئی ۱۹۸۹ء مطابق ۹ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ بروز دوشنبہ بعمر اٹھتر سال بعارضہ فالج اس جہان فانی سے کوچ کر کے مالکِ حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خداوند عالم مرحوم کو جوار ائمہ معصومین علیہم السلام میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔

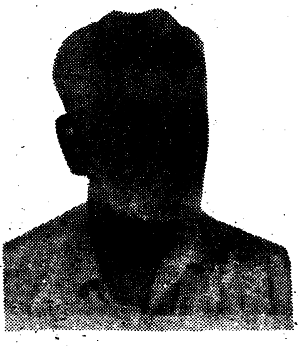

# تاثرات و مقالات

حضرت فیض بھرتپوری یادگاری مجلہ کیلئے جن ادباء، شعراء، ناقدین اور صاحبانِ علم و دانش نے بہ عجلت ممکنہ اپنے مضامین، نظمیں اور مقالات ہمیں ارسال کیے، ہم ان کے بے حد مشکور ہیں۔ ایسی تحریریں اور تاثرات اس باب میں شاملِ اشاعت ہیں —— ان تحریروں میں حضرت فیض بھرتپوری اعلی اللہ مقامہ کی شخصیت اور فن کا جائزہ لیا گیا ہے ...

(ادارہ)

مدحتِ شہؐ کے مضامیں سے بھرا ہے سینا
دل کے آئینے پہ یہ پھول ہیں گویا مینا
کیوں جلیں غیر، ملی مجھ کو جو چشمِ بینا
کس کا مقسوم لیا، کس کا مقدر چھینا

درِ حیدرؑ سے ملے ہیں، دُرِ مدحت مجھ کو
قاسمِ خلد نے بخشی ہے یہ قسمت مجھ کو

○ فیض بھرتپوری

پروفیسر کرار حسین ؒ

○

# اساتذۂ فن کی تابندہ یادگار فیض بھرتپوریؒ

حضرت فیضؒ بھرتپوریؒ ایک عظیم انسان اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی رحلت سے ایسا قومی نقصان ہوا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ——— وہ اساتذۂ فن کی تابندہ یادگار تھے۔ ان کی ذات پرانی اقدار اور روایات کا ایسا پیکر تھی جس سے ہماری مخصوص تہذیب آشکار ہے۔ ان کا کلام ادبی محاسن اور فکر کے اعتبار سے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

خداوند تعالیٰ، مرحوم کو جوارِ اہلبیت میں جگہ عطا فرمائے!

تاثرات

پروفیسر ڈاکٹر سید نعیم حیدر تقوی

# کربِ آگہی کا شاعر' فیض محمد تونسوی

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ہولناک اور خوں آشام المیہ اپنے دامن میں ہزارہا قیامت خیز سچے واقعات لیے ہوئے ہے۔ اس دَور میں برصغیر کے مسلمان جن منقلب حالات سے دوچار ہوئے' ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔ ہر طرف انتشار و خلفشار تھا اور ایک خون کا سیلاب تھا کہ امڈا چلا آتا تھا۔ جہاں روزنِ شب سے مہر و اختر برستے تھے' وہاں غم و اندوہ کی بھیانک تیرگی نے آزادی کے متوالوں کی صبحِ مسرت کو مصلوب کر دیا تھا ـــــ اگرچہ نخلِ آرزو بے ثمر تھا مگر ہر لمحہ سنگ بدست تھا۔ ہر ذی شعور اپنی ہستی کو اس طرح خاک میں ملتا ہوا دیکھ رہا تھا جیسے اشکوں کے گہر کو تپتا ہوا صحرا چاٹ رہا ہو۔ ایسی اضطرابی فضا میں جبکہ فرنگی جبر و استحصال اور ظلم و تشدد سے مسلمانانِ برصغیر بے کسی کے ہولناک دشت میں جھلسے ہوئے درختوں کی مانند نظر آتے تھے' اس وقت اس امر کی ضرورت تھی کہ کوئی جرأت و ہمت' صبر و استقامت اور مہر و وفا کا پرچم بلند کرے۔

میر انیس اور مرزا دبیر نے اقتضائے وقت کے تحت مرثیہ کو صرف مصائب تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس صنف میں موضوعات کے اعتبار سے خوشگوار اضافے کیے۔ شہیدانِ کربلا کے آہنی کرداروں کو اس طرح پیش کیا کہ دکھی انسانیت کو ڈھارس ملی۔ شجاعت و جرأت کا درس ملا اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوا یعنی قومی شاعری سے قبل ان مرثیہ نگاروں نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور ان کے جانباز رفقاء کے فقید المثال حریت انگیز اور ایمان افروز تذکروں سے نڈھال

قوم کو سہارا دیا۔۔۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے بطور خاص واقعات کربلا کو اس طرح پیش کیا کہ ہماری قومی شاعری کی روشن سمت نمائی ہوئی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے مرثیہ ہی سے متاثر ہو کر اپنی مشہور قومی نظم "مدّوجزرِ اسلام" کے لئے مسدّس کی ہئیت کا انتخاب کیا اور اس کے بعد علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز سے قومی شاعری کو فروغ دیا۔ اہل نظر پر مرثیہ کی تہذیبی، معاشرتی اور روحانی افادیت عیاں ہے۔

عصر حاضر میں شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی، نسیم امروہوی، علامہ جمیل مظہری، سید آل رضا اور صبا اکبر آبادی نے فنِ مرثیہ کے ارتقاء میں جو اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں، انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔۔۔ قیصر بارہوی، ڈاکٹر سید صفدر حسین، یاور عباس، وحید الحسن ہاشمی، شاہد نقوی، امید فاضلی، ساحر لکھنوی، سردار نقوی، شاداں دہلوی اور سیف زلفی کا شمار معتبر مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔۔۔ نئی نسل میں ڈاکٹر ہلال نقوی، نے دیکھتے ہی دیکھتے قابلِ ذکر مقام حاصل کیا ہے۔ مجھے ان سے بڑی توقعات ہیں۔ ان کے علاوہ سرفراز ابد، نیر اسعدی اور عارف امام بھی عمدہ مرثیہ نگار ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے!

جناب فیض بھرت پوری مرحوم کو فنِ شاعری میں مہارت حاصل تھی، اگرچہ انہوں نے غزلیں بھی کہیں مگر ان کی وجہ شہرت مرثیہ نگاری ہے۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں ظلم و جبر کے المناک واقعات کو کربلا کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے ثبات و استقامت کی تلقین کی ہے۔ مظلومیت کے رخِ زیبا کی شفق رنگ سرخی قارئین کے لئے دل افروز ہے۔ انہوں نے انسانی زندگی اور تہذیب کے آفاقی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے صحت مند معاشرتی فضا قائم کرنے کی سعی کامگار کی۔۔۔ بالفاظِ دیگر ان کی مرثیہ نگاری واقعاتِ کربلا کی روشنی میں سماجی شعور کی شارح ہوتے ہوئے ایک شائستہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی فکر میں ارضی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی عمل کے امتزاج سے ایسا مہذب رچاؤ پیدا ہوا جس کی بدولت انہوں نے ممتاز مقام حاصل کیا۔

فیض بھرت پوری مرحوم اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ایک اعلیٰ فنکار جب روحِ عصر کو اپنے افکار میں مقید کرتا ہے تو وہ حیات کی پیچیدگیوں اور بہت سی اجنبی اور بعض متضاد کیفیات کو اکائی کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ وہ کرب و انبساط کے داعیوں کو فکری پیمانے کے ذریعہ اس طرح

پیش کرتا ہے کہ چشمِ نگراں سے زیادہ روحِ انساں متاثر ہوتی ہے اور آگہی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کربِ آگہی کا زخم کسی دروازے کی طرح نہیں ہوتا ہے کہ جسے کسی طرح مقفل کیا جاسکے بلکہ یہ زخم تو آغوش کشا رہتا ہے جسے بصیرت کی صبا تر و تازہ رکھتی ہے اور اس کی شگفتگی سے شعور و ادراک کی رعنائیاں فزوں تر ہو جاتی ہیں ـــــ فیض کی شاعری کربِ آگہی سے عبارت ہے۔ ان کا ذہنی سفر، کرب اور سنگینیٔ حالات کے شعور کے باوجود رجائیت کے مفہوم سے ہمکنار ہے۔ انہوں نے انسانی حقوق کی بازیافت، حیاتِ ابدی کے خوش نما اور دلآویز پیکر کے سرمدی عناصر کی جلوہ گری کے حوالے سے کی اور اس کا قابلِ ذکر ابلاغ بھی کیا۔ وہ عصرِ حاضر کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے احساس کی روشنی اور شعور کی بالیدگی کے سبب اپنے عصری انتشار و اضطراب کی تصویر کشی کرتے ہوئے ایسی سمت نمائی کی ہے جو اخلاقی قدروں سے عبارت ہے۔ فکری توانائی اور ذہنی پختگی کی وجہ سے ان کے مرثیوں میں زندگی کی حقیقتیں بے ساختہ دَر آئی ہیں ـــــ ان کی ژرف نگاہی اور عمیق تجربات سے ان کے مرثیے معاشرتی روابط کے آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ مزاج کے طور پر وہ روایت پرست اور رجعت پسند ضرور تھے مگر ان کی طبیعت میں جدت طرازی اور روانی کی کمی بھی نہیں تھی ـــــ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان کے کلام میں جذبے کی فراوانی تھی مگر وہ اس خوبی کو مقصدیت سے برتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے جذبوں کو آفاقیت کی آنچ سے گرماتے ہوئے اپنے فن کو سنوارا ہے۔ ان کے مرثیے تطہیرِ نفس اور اوصافِ حمیدہ سے متعلق مضامین سے آراستہ ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فیضی مرحوم نے اپنے افکارِ عالیہ سے تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ترویج و اشاعت میں گرانقدر حصّہ لیا ہے۔

فیض ـــ بحر تو پرکی بحیثیت انسان بھی اپنے اوصاف کے سبب مقبول رہے۔ محبت و یگانگت اور عجز و انکسار کی صفات ان کے خمیر میں داخل تھیں۔ ہر شخص سے بڑے خلوص سے مل کر دل میں جگہ پاتے تھے اور وضو داری کا انہیں ہمیشہ پاس رہتا تھا ـــ میرے ان سے دیرینہ مراسم تھے۔ میں نے انہیں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے ایک عظیم انسان پایا۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ان کی یادیں ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے اٹھ جانے سے ہم ایک عمدہ شاعر اور مخلص انسان سے محروم ہو گئے۔

سید محمد تقی

# اور ___ فیض بھرتپوری بھی ... !

یہ سن کر میں دھک سے رہ گیا کہ فیض بھرتپوری ۔ انتقال کر گئے ۔ دو چار دن نہ سہی ، چلئے ماضیٔ قریب نہ سہی ۔ ماضیٔ متوسط میں جب میں نے ان سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا تو وہ بجھے بجھے تو ضرور نظر آئے تاہم یہ بات تو میں سوچ ہی نہ سکتا تھا کہ فیض صاحب رلتے جلدی ہم سے جدا ہو جائیں گے وہ تو مسالموں اور مراثی کی محفلوں اور مجلسوں کی جان تھے ۔ اب ان محفلوں کا کیا ہوگا ۔ اب یہ کمی کیسے پوری ہوگی ۔ مرثیہ کہنا بچوں کا کھیل نہیں ہے بڑے بڑوں کے پسینے آب ہو جاتے ہیں ۔ جب کسی سے مرثیہ لکھنے کی خواہش یا اصرار کیا جاتا ہے فیض نے نظم کی مختلف اصناف میں اپنی فنی مہارت کے جوہر دکھائے ہیں ۔ ان کی

قدرت کلام کو ہر وہ شخص تسلیم کرے گا جس نے ان کے ادبی سرمائے کا سرسری سا جائزہ بھی لیا ہو۔ اعلیٰ ادب مسائلِ حیات و کائنات اور تجربوں کی نئی جہتیں دریافت یا محسوس کرنے کا نام ہے۔ فیض کے یہاں نئے احساس کے دریافت کی یہ صلاحیت کس انداز میں ملتی ہے اس کی ایک جھلک مثلاً اس رباعی میں موجود ہے۔ جو حضرت علی اکبر کی شان میں کہی گئی ہے۔ رباعی یہ ہے۔

کہاں ہے فیض میں طاقت ثنائے اکبرؑ کی
ہوا نہ ہوگا زمانہ میں اس طرح کا جری
جہاں فرس سے گرے تھے وہاں سے خیمے تک
رگڑ کے ایڑیاں تاریخ کربلا لکھدی

آخری مصرع آپنے دیکھا کس نئی جہت سے کہا گیا ہے۔ احساس کے ان مختلف الابعاد مثالیں ان کے مراثی۔ نوحوں اور سلاموں میں بار بار ملتی ہیں۔ جو اس بات کی ضمانت دیتی ہیں کہ وہ معاشرے پر ایک گہرا نقش چھوڑ گئے ہیں جو مدتوں فیض کی جودتِ تخیل کو خراجِ عقیدت پیش کرتا رہے گا لیکن میں اس مختصر سے معروضات کو ختم کرنے سے پہلے اُن کے لائق صاحبزادے سید باقر زیدی کے اس کارنامے پر ادبی حلقوں کی طرف سے شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو انھوں نے حضرت نجم آفندی کے بارے میں ایک انتھالوجی مرتب کرکے انجام دیا ہے۔ نجم آفندی ایک تہذیبی دور ایک ادبی عہد کا نام ہے اس لئے ان کی یاد کو زندہ رکھنا ایک معاشرتی فرض ہے جسے باقر زیدی نے بڑی محنت اور کاوش سے ساتھ پورا کیا ہے۔ بزم نجم آفندی بھی قابلِ داد ہے کہ اس نے اس مشن کی تکمیل کی۔ نجم کی یاد کو زندہ رکھنا ان سب کا فرض ہے جو تہذیب کی اعلیٰ قدروں سے محبت رکھتے ہیں اور جنہیں اس خاندان کی بارگاہ میں عقیدت اور مودت کا اعزاز حاصل ہے جو نسلِ انسانی میں خیر اور پاکیزگی کے سب سے بلند تر مرکز اور پناہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

صبا اکبرآبادی

# فیض بھرتپوری

جناب فیض بھرتپوری مرحوم و مغفور کے بارہ مرثیے "مراثیٔ فیض" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ ان پر پروفیسر منظور حسین شور، جناب طالب جوہری اور جناب ضمیر اختر لکھنوی نے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ اس پر مزید اضافے کی بظاہر کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ جو کچھ ان حضرات نے لکھا ہے وہ تمام مراثی پر احاطہ کرتا ہے۔

— اکبرآباد (آگرہ) کے شعراء بالعموم اپنی عقیدت کا اظہار سلام اور نوحے لکھ کر کیا کرتے تھے البتہ کچھ مخصوص حضرات مسدس مرثیہ بھی تصنیف کرتے تھے اور مخصوص مجالس میں پڑھواتے تھے — اس کے برعکس بھرسر اور ڈیگ اور بھرتپور خاص میں مرثیہ گوئی کا فن عام تھا۔

فیض بھرتپوری مرحوم بھی ایک ایسے ہی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس میں مرثیہ گوئی کا فن رائج تھا، مگر فیض صاحب اس طرف بہت دیر میں متوجہ ہوئے اور ۱۹۶۳ء میں پہلا مرثیہ تصنیف کیا جو بہت کامیاب ہوا۔ اس کے بعد ع

سمندِ شوق پر اک اور تازیانہ ہوا

انہوں نے باقاعدہ مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی اور مولانا نسیم امروہوی سے تلمذ حاصل کیا۔ ان تمام مرثیوں کو دوازدہ آئمہ کی مناسبت سے بارہ مرثیوں کی صورت میں ان کے فرزند جناب جعفر زیدی نے ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کیا۔

یہ مرثیے فیض صاحب کی قوتِ کلام اور حسنِ عقیدت کے آئینہ دار ہیں جو مرثیے کے تمام اجزاء پر محیط ہیں۔ فضائل، گریہ، منظر کشی، جنگ، گھوڑا، تلوار اور ثنائی مضامین سے آراستہ ہیں — مجھے یقین ہے کہ یہ مرثیے اربابِ عقیدت میں ذوق و شوق سے پڑھے جائیں گے اور مقبولیت کا درجہ حاصل کریں گے۔